مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور ان کی تفسیر "المقام المحمود"

ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر منیر احمد مغل نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تفسیر قرآن پر سندھ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس مقالہ کی اشاعت سے قبل ان کی خواہش ہوئی کہ مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ تعالیٰ اسے ملاحظہ فرما کر اس پہ مقدمہ لکھیں۔ مولانا بجا طور پر اس کے اہل تھے اور انہوں نے ذوق و شوق سے ایک ایک حرف پڑھا لیکن انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ میں اسے پڑھ کر اس پر مقدمہ لکھوں۔ میرے لئے مولانا کی خواہش حکم کا درجہ رکھتی تھی اس لئے میں نے بالاستیعاب اس کو پڑھ کر "مقدمہ" سپرد قلم کیا جسے مولانا انورؒ اور دوسرے اہل علم نے بہت سراہا۔

مقالہ کے ناشر نے بوجوہ سارا مقدمہ چھاپنے کے بجائے اس کے بعض اقتباس شائع کر دیئے۔ یہ تحریر جو میں نے بڑی محنت سے تیار کی تھی میرے کاغذات میں پڑی رہی۔ چند دن قبل کسی ضرورت سے اپنے کاغذات چھانٹ رہا تھا کہ اچانک یہ تحریر سامنے آئی۔

میں نے اسے ۱۱ صفر ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۸۲ کو مکمل کیا اور آج ٹھیک تین سال بعد اسے "حکمت قرآن" کے ذریعہ قارئین تک پہنچا رہا ہوں اس میں جہاں ایک قیمتی تفسیر کا تفصیلی تعارف ہے۔ وہاں تاریخ کی بعض گم شدہ کڑیوں کا بھی سراغ ہے۔ جسے امید کہ پسند کیا جائے گا۔ ممکن ہے کسی مقام پہ کسی دوست کے لئے کوئی تلخی کی بات ہو۔ اس پہ پیشگی معذرت خواہ ہوں

"فقیر ——— العلوی"

© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت الشیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ سید صدر الدین بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

"دو نعمت در عالم بالفعل موجود است کہ فوق جمیع نعمتہا است ولیکن مردم قدر آں نعمت نمی شناسند و بداں پے نمی برند ..... یکے آں کہ وجود مبارک محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بصفت حیات در مدینہ موجود است ...... و دیگر آں کہ قرآں مجید کہ کلام پروردگار است و وے سبحانہ تعالیٰ بے واسطہ بداں متکلم۔"

(اخبار الاخیار صہ ۲۱۵)

کہ دنیا میں بالفعل دو نعمتیں موجود ہیں جو تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہیں لیکن لوگ ان کی قدر نہیں پہچانتے اور ان کے مطابق زندگی نہیں گزارتے۔ ان نعمتوں میں ایک نعمت تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کا وجود مبارک ہے جو "بصفت حیات" مدینہ طیبہ میں موجود ہے اور دوسری نعمت "قرآن کریم" ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور حضرت حق اس کے ساتھ بغیر کسی واسطہ تکلم فرماتے ہیں۔ شیخ دہلوی قدس سرہٗ نے جو بات فرمائی، کیا یہ ان کی اپنی ذہنی اختراع ہے؟ نہیں بلکہ فی الحقیقت یہ تو ایک ارشادِ پیغمبر کی حسین تعبیر ہے۔

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسلاً فی الموطا۔

گویا "کتاب اللہ" اور "سنتِ رسول" جو وجود مبارکہ موجودہ بصفت حیات فی المدینہ کے اعمال وافعال کا نام ہے، انہی کی پیروی واتباع ہدایتِ ابدی کا ذریعہ اور خسرانِ دارین سے بچنے کا وسیلہ ہیں ــــ اور یہی مقصد ہے شیخ دہلوی علیہ الرحمہ کا۔

حضور نبی مکرم علیہ السلام کے اس ارشاد مقدسہ کا منبع دراصل قرآن عزیز کی وہ آیت ہے جس کے متعلق اہل ہوا بلا وجہ الجھتے اور نزاع کا شکار ہوتے ہیں۔ سورۃ المائدہ کی مشہور آیت ہے

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ

امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ گرامی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ ترجمہ فرماتے ہیں:

d.com

"بے شک تمہارے پاس آئی اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی"

اور متصل اگلے ٹکڑے میں فرمایا:

"جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا، سلامتی کی راہیں اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ ـــــ ا"

حضرت العلام مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ اس آیتِ مبارکہ سے متعلق اپنے حواشی میں فرماتے ہیں:

شاید "نور" سے خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (بطور نور ہدایت ـــــ ناقل) اور کتاب مبین" سے قرآن کریم مراد ہے۔

(حواشی مولانا عثمانی مطبوعہ مکتبہ نورانی لاہور سنہ ۱۳۷۸ھ)

ان دو عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت حضور اقدس علیہ السلام کا وجود مبارکہ ہے جن کی زبان سے نکلنے والے ایک ایک لفظ کے مقابلہ میں دنیا و مافیہا کی کوئی حقیقت نہیں اس "صاحب جوامع الکلم،" نے دوسری نعمت یعنی قرآن عزیز جو اسی کے قلبِ انور پر نازل ہوئی ہے متعلق واضح طور پر ارشاد فرمادیا کہ:

اللہ تعالیٰ نے قوموں کے عروج و زوال کا معاملہ قرآن سے متعلق کر دیا ہے

(عن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی مسلم۔ مشکوٰۃ صـــ ۱۸۴)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بقول ارشاد فرمایا کہ:

لوہے کی طرح دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں، اس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا سوال قدرتی امر تھا کہ دوا جلا ڈھا؟ کہ پھر اس کی صفائی کیونکر ممکن ہو گی؟ اس پر فرمایا:

كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ (مشکوٰۃ صـــ ۱۸۹)

اس "نعمت کبریٰ" یعنی قرآنِ عزیز کے علوم عالیہ مہبط وحی صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم سے انہی حضرات نے سیکھے جن کے لئے اللہ تعالیٰ اس دربارِ دُربار کی حاضری مقدر فرما چکے تھے، انہوں نے (اللہ کی ان پر سلامتی ہو) حجۃ الوداع میں کی گئی نصیحت کو پلے باندھا اور ادھر اُدھر پھیل کر اس روشنی کو بکھیرنا شروع کر دیا، ان ہزاروں قدوسیوں سے لاکھوں نے سیکھا اور پھر چراغ سے چراغ جلتے رہے، اور ایسا ہونا ضروری تھا تاکہ حق کی روشنی صبح قیامت تک باقی رہے اور

© rasailojaraid.com

کسی کو مَاجَاءَنَا مِنْ نَذِيْرٍ کہنے کا موقعہ نہ ملے۔ یوں بھی دنیا کے سب سے بڑے سچے انسان نے اس طرف واضح اشارہ فرمایا:

عن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم یَقُوْلُ لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ بِاَمْرِ اللہِ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللہِ وَھُمْ عَلٰی ذَالِکَ (مشکوٰۃ صہ ۵۸۲)

اس "اُمّۃ قائمۃ بامر اللہ" کی تاریخ دعوت و عزیمت ہی ملت کا اصل سرمایہ ہے اور دنیا کے ہر گوشہ و خطہ میں مختلف اوقات میں اس جماعت حقہ کے اعیان و اکابر کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان حضرات کی خوبی و کمال تھا تو بس اتنا کہ انہوں نے مقصدِ زندگی پا لیا تھا اور پھر زندگی کے محدود شب و روز کو اس کے حصول کے لئے داؤ پر لگا دیا تھا۔ ان اعاظم رجال میں ایک نام امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کا ہے جن کے دم واپسیں کی نقشہ کشی مرحوم کے عزیز اور تربیت یافتہ خادم مولانا عبیداللہ انور نے اس طرح کی۔

"حضرت سندھی کا انتقال دین پور (ضلع رحیم یار خان) میں ۲۲ اگست (۱۹۴۴ء) بحالت صوم عین اذان عصر کے وقت ہوا۔ میں اس وقت ان کے قریب وضو بنا رہا تھا کہ کان میں آواز آئی فوراً حاضر ہوا۔ اس وقت کلمہ طیبہ کا ورد فرما رہے تھے اور میرے دیکھتے دیکھتے جان جان آفریں کے سپرد فرما دی۔ اس سے کچھ ہی دیر پہلے خود میں نے انہیں وضو کرایا تھا اور پھر بعد میں غسل دینے کا شرف بھی اس عاجز حقیر کو حاصل ہوا جس میں دین پور شریف کے صاحبزادگان بھی شریک تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ واسعاً کثیرا۔

(ڈاکٹر منیر احمد مغل کے مقالہ پی ایچ ڈی بسلسلہ تفسیر مولانا سندھی پر مولانا انور کا نوٹ صہ ۲۷۸/۱۱ غیر مطبوعہ)

۷۲ سال کے اس تھکے ہارے مسافر کی یہ عظمت کہ ماہ اگست جیسے تلخ ترین موسم میں "صوم" کا اہتمام ہے اور کلمہ مبارکہ کا ورد کرتے ہوئے اس وقت مالک حقیقی کے دربار میں حاضری ہوتی ہے جو صلوٰۃ وسطیٰ کا وقت ہے اور جس میں بمطابق حدیث نبوی رات دن کے ملائکہ کا زمین پر ہجوم ہوتا ہے۔ ربِّ اکبر کی یہ عنایت و نوازش اپنے ایک بندے پر کیوں؟

اس کیوں کا جواب بالکل واضح ہے کہ جس نے اپنی روح کو اس خالقِ کائنات کے کلام

d.com

میں غرق کردیا وہ روح اس عنایت کی مستحق تھی کہ کلام اتارنے والے کا وعدہ ہے۔ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیْمًا (النسا) اور اللہ تعالیٰ قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا

وہ بندۂ خدا " سکھ دھرم " کے ماننے والے ایک گھرانے کا فرد تھا۔ فطرت سلیمہ نے سکول کی تعلیم کے دوران اس کو جھنجوڑا اور وہ دنیا کی حقیقی سچائی کا پرستار بن کر اس راستہ پر چل نکلا اور ایسا کہ پھر ساری عمر اس سچائی کی تبلیغ کی۔ دس برس سے زائد کا وقت سرزمین حرم پر اس نے گزارا اور اس کی زندگی کے یہ وہ سال تھے جب شعور، تجربہ، علم ہر چیز پختہ سے پختہ تر ہو جاتی ہے۔ وہ ساری عمر قرآن کا طالب علم تھا۔ اس عمر میں البلد الامین میں پہنچ کر اس نے اس شہر مقدس کے شیوخ سے استفادہ میں عار محسوس نہ کی ـــــ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْدِ کے نبوی ارشاد کی جی بھر کر تعمیل کی۔ مولانا فرماتے ہیں:

"مجھے اہل مکہ سے تین ہندوستانی اور ایک عرب خاندان نے خاص طور پر علمی امداد دی۔"

(ذاتی ڈائری مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء ص ۲۵ و مطبوعہ اسلام آباد ص ۱۴ بعنوان سرگزشت کابل (قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت)

اس سرزمین پاک پر مرحوم کی جو علمی دلچسپیاں تھیں ان کا ذکر خود ہی کرتے ہیں کہ:

"میں یقیناً ۱۲ - ۱۳ سال سے قرآن عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ کا بہ نظر عمیق مطالعہ کرتا رہا۔ تفسیر قرآن عظیم میں جس قدر مقامات میرے لیے مشکل تھے اس زمانہ میں انہیں امام ولی اللہ دہلوی کے اصول پر بالاطمینان حاصل کر سکا ......

مجھے اپنے اصول پر قرآن عظیم میں اس زمانہ میں قابل عمل تعلیم کا ایک عملی نصاب نظر آیا اس میں اس تجلی ریز مقدس مقام کی تاثیر ضرور ماننا پڑتی ہے۔

(ذاتی ڈائری ص ۲۵-۲۶، سرگذشت کابل ص ۱۴)

اسی ضمن میں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے اس زمانہ میں امام دہلوی کی کتابیں مثلاً بدور بازغہ، خیر کثیر، تفہیمات الٰہیہ، سطعات، الطاف القدس، ہمعات وغیرہ کا مطالعہ جاری رکھا اور ان کیلئے بطور مفتاح امام دہلوی کے فرزند مولانا رفیع الدین کی تکمیل الاذہان، پوتے مولانا اسمٰعیل شہید کی عبقات اور آئندہ چل کر ان کے علوم کے وارث مولانا محمد قاسم نانوتوی کی قاسم العلوم، تقریر دلپذیر اور آب حیات زیر مطالعہ رکھیں ـــــ مزید فرماتے ہیں:

مجھے لوگوں کے پڑھانے کا بھی موقعہ ملتا رہا اور ساتھ ہی تدریس قرآن حکیم بھی جاری رہی اس سے

© rasailojaraid.com

میرے نظریات بہت وسیع ہو گئے (بلله الحمد)

مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن عزیز کے اتنے بڑے سکالر تھے کہ آپ کے استاذ اکبر حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے دنیائے قدیم وجدید کے فضلاء کو قرآن پڑھانے کے لئے آپ کو مامور کیا جس میں آپ کے فرزند نسبتی اور عزیز از جان شاگرد مولانا احمد علی لاہوری بھی شریک تھے ـــــ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ عبداللہ یوسف علی جیسا شخص آپ سے قرآن کے مشکل مقامات کی تفسیر و تشریح معلوم کر رہا ہے۔ (سرگذشت کابل ص۴۷)

عبداللہ یوسف علی خاں ۱۳۵۳ھ میں حج کے ارادے مکہ مکرمہ آیا۔ یہ صاحب لوزان کانفرنس میں وزیر اعظم برطانیہ کے سیکرٹری تھے۔ مکہ میں ان کا قیام احسان اللہ خان بہادر نائب کونسل جدہ کے یہاں تھا اور مولانا سندھی کا مکان ان سے قریب تر، اس نے مولانا سے بعض آیات کا مطلب پوچھنا چاہا ـــــ ملاقات ہوئی تو اس نے ایک آیت کا مطلب دریافت کیا، مولانا نے فرمایا:

یار اس بات کو چھوڑو، پیچھے بیان کریں گے، پہلے یہ بتلاؤ کہ انگلستان کا وزیر اعظم کیوں اتنی عجلت کے ساتھ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر لوزان کانفرنس میں پہنچا تھا؟

اس نے ہنس کر کہا "جناب یہ سب آپ ہی کی کارروائی تھی" اس کے بعد مولانا نے آیت کے مطلب بیان کئے، تو وہ کہنے لگا واقعی آپ بڑے عالم ہیں، آپ نے مسلمانوں کی ایک بڑی سلطنت (افغانستان) کو آزاد کرایا۔ جزاک اللہ!

پھر اس نے اپنے میزبان احسان اللہ خان سے کہا کہ

مولانا بڑے عالم ہیں، ایسے لوگ دنیا میں بہت کم پیدا ہوتے ہیں واہ وا، بڑے عالم ہیں بڑے عالم ہیں، وہ بار بار مولانا کی قابلیت کا اعتراف کرتا رہا پھر ایک دو بار حرم مکہ میں بھی بڑے احترام کے ساتھ مولانا سے ملاقات کی۔

عبداللہ یوسف علی خاں نے مسلمانوں کی ایک سلطنت آزاد کرانے کا کریڈٹ مولانا کو دیا ـــــ اس سے مراد افغانستان کی آزادی ہے جس پر مولانا کے ایک عزیز شاگرد ظفر حسن ایبک نے اپنی آپ بیتی میں روشنی ڈالی ہے۔

(دیکھیں آپ بیتی حصہ اول مطبوعہ لاہور ۱۳۸۷ھ (باب ۵) ومابعد)

انگریز وزیر اعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری کے بعد افغانستان کے جشن آزادی میں شریک انگریزی نمائندہ کی سنیں، اس نے اپنی تقریر میں کیا کہا!

d.com

"یہ آزادی افغانستان کی نہیں بلکہ مولوی عبید اللہ سندھی کی فتح ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں ہندوستان کی فتح ہے۔ (سرگذشت کابل ص۲۰۳)

امیر امان اللہ خان مرحوم نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن (جن کے حکم وارشاد پر مولانا سندھی کابل گئے اور سارا کام کیا) کے جلسہ تعزیت میں کہا:

کارے کہ مولانا محمود حسن شیخ الہند شروع کردہ بود من او را تمام می کنم (سرگذشت کابل ص۲۰۳)

لوزان کانفرنس جس کا مولانا سندھی نے عبید اللہ یوسف علی سے سوال کیا تھا، بڑے نازک موڑ پر ہوئی برطانیہ کے حلیف بوجوہ ناراض تھے اس لئے عجلت پسندی سے کام لینا پڑا ادھر مولانا کے شاگرد اور تربیت یافتہ جسطرح مختلف محاذوں پر نبرد آزما تھے اس سے آزادی کا راستہ کھل رہا تھا اس راستہ کو بند کرنے کے لئے بھی عجلت کا مظاہرہ انگریز وزیر اعظم نے کیا (تفصیلات آپ بیتی ظفر حسن اور کسی قدر سرگذشت کابل میں ملاحظہ فرمائیے)

مولانا سندھی نے قرآن کی جو خدمت کی اس سے متعلق علامہ موسیٰ جار اللہ کہتے ہیں:

امام سندھی نے اپنی ساری عمر قرآن کریم اور اس کے فلسفہ کے لئے وقف کردی، وہ قرآن کریم کے فلسفہ کو جیسا کہ اس کے جاننے کا حق ہے، جانتے ہیں اور امام شاہ ولی اللہ دہلوی کے اصول پر جانتے ہیں (مقدمہ تفسیر الہام الرحمٰن مطبوعہ حیدرآباد ص۳-۴)

اور علامہ نے یہ بھی فرمایا کہ:

مولانا سندھی امام، مجاہد اور مجتہد تھے۔

(مقدمہ التمہید ص۲ از مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۷۶ء)

مولانا سندھی قدس سرہ پر بعض حضرات نے آزاد خیالی کا الزام لگایا اور الزام لگاتے ہوئے ذرہ برابر خوف خدا کا احساس نہ کیا ـــــ اصل مسئلہ یہ تھا کہ مولانا سندھی جو فرماتے تھے وہ بہت دور کی بات ہوتی تھی، قدرت نے ان کو جو دیدۂ بینا عطا فرمائی تھی اس کے پیش نظر مستقبل میں پیش آنے والے حوادث وہ معلوم کر لیتے تھے نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ مستقبل کے حوادث سے قوم کو محفوظ رکھنے کے لئے بات کہتے یار لوگ الٹا مطلب نکال کر اپنی سی لے اڑتے۔ اس سلسلے میں ایک ندوی فاضل مولانا مسعود عالم ندوی کا نام سب سے زیادہ اہم ہے جنہوں نے مولانا کے افکار پر ستمبر ۴۴ء کے معارف میں ایک تنقیدی مقالہ شائع کرایا۔ گویا مولانا کے لاکھوں معتقدین ان کے حادثہ وفات کے سبب مضطرب و پریشان حال تھے (مولانا کا انتقال اگست ۱۹۴۴ء میں

© rasailojaraid.com

ہوا) تو مسعود صاحب نے اور نمک پاشی کا سامان فراہم کیا۔
مسعود صاحب کی اس تنقید کا جواب مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے "برہان" دہلی میں لکھا جس کے وہ ایڈیٹر تھے جس کو بعد میں کتابی شکل میں سندھ ساگر اکادمی لاہور نے ۱۹۴۶ء میں چھاپا اور دیانت داری یہ کی کہ مسعود صاحب کا تنقیدی مقالہ بھی ساتھ شامل کر دیا تاکہ ناظرین دونوں رخ دیکھ کر مسعود صاحب کی تحریر کا وزن محسوس کر سکیں۔ اس جوابی مقالہ کے دیباچہ میں سرور صاحب لکھتے ہیں کہ:

> مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم جن کی شخصیت اور افکار زیر نظر کتاب کا موضوع ہیں سب جانتے ہیں کہ دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے (دیوبند کے علاوہ مولانا گنگوہی سے (بھی) انہوں نے حدیث پڑھی تھی اور شیخ الہند کے عزیز ترین شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا تھا، مرحوم نے دیوبندی طریقہ پر تعلیم پائی اور اسی طریقے پر ساری عمر طلبہ کو پڑھاتے رہے اور آخر تک دیوبند کی روح اور دیوبندی زندگی کے جو ضروری اعمال و آداب ہیں انکو مرحوم نے برابر ایمان اور مسلک سمجھا۔ (مولانا سندھی اور ان کے ناقد ص۱۴)

مسعود صاحب سے زیادہ افسوس ان کے استاذ محترم علامہ سید سلیمان ندوی پر ہے جو کسی زمانہ میں امام الہند مولانا ابوالکلام کے الہلال میں ان کے دست و بازو تھے اور پھر جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کلکتہ ۱۹۲۶ء میں انہوں نے خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد وہ نامعلوم اسباب کی بنا پر اس قافلہ سے الگ راہ بنا کر چلے اور اس تبدیلی کے بعد انہوں نے بھی مولانا سندھی پر تنقید کی (بحوالہ افادات ص۳۶۵ (مقدمہ مقالہ مسعود عالم صاحب)

خیر یہ ان کا حق تھا۔ افسوس یہ ہے کہ انہوں نے اس معاملہ میں اکابر دیوبند بالخصوص حضرت علامہ سید انور شاہ قدس سرہٗ کا سہارا لینا چاہا ـــــ حالانکہ سید صاحب اس حقیقت سے یقیناً باخبر تھے کہ گو ایک وقت میں حضرت شاہ صاحب اور مولانا کا اختلاف ہوا اور اس نے بدمزگی کی صورت اختیار کر لی لیکن شاہ صاحب قدس سرہٗ جیسے عظیم المرتبت اور بلند ظرف انسان کو جونہی احساس ہوا تو مکہ مکرمہ مولانا کو لکھ کر ان سے اپنا معاملہ صاف کیا۔ یہ تفصیلات ذاتی ڈائری ص۲، سرگذشت کابل ص۱۱، افادات و ملفوظات ص۳۶۶ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ کی نقش حیات ص۱۴۹، ج دوم پر موجود ہیں ـــــ مولانا مدنی کے حوالہ سے آخری چند سطریں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب مرحوم نے مولانا سندھی کے نام مکۂ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں پیغام بھیجا تھا کہ قیامِ دیوبند کے زمانہ میں غلط فہمی کی وجہ سے میں آپ کے لئے تکلیف کا باعث بنا تھا۔ اب میرے دل میں آپ سے کوئی رنج نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی معاف فرمائیں گے۔

اور پھر جب مولانا طویل جلاوطنی کے بعد ۱۹۳۹ء میں واپس تشریف لائے تو ذاتی ڈائری صہ ۲۲ اور سرگذشت کابل صہ ۱ کے مطابق جن شہروں میں ان کا زبردست خیر مقدم ہوا ان میں دیوبند بھی تھا۔ دیوبند کے مہتمم، اساتذہ، طلبہ سب ہی اپنے اس بزرگ کو لینے گئے، عقیدت واحترام سے ٹھہرایا۔ علمی محافل قائم ہوئیں حتیٰ کہ احقر نے براہِ راست مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا کہ مولانا نے اس زمانہ میں ہمیں (یعنی اساتذہ کو) "حجۃ اللہ" پڑھائی۔

بہرحال سید صاحب جیسے بزرگ کے لے تنقید کا حق تسلیم کرنے کے باوصف ایسا مناسب نہ تھا (اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے درگذر فرمائے) ـــــ مسعود صاحب نے اتنی خوفناک تنقید کے باوصف یہ اعتراف بہرحال کیا کہ:

> حضرت شاہ صاحب ـــــ (امام ولی اللہؒ) ـــ کی حکمت کے اصل وارث اور ان کی راہ پر ٹھیک ٹھیک چلنے والے مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے شیوخ (اساتذہ) ہیں ہمیں ان شیوخ کے علم وفضل، تقویٰ وصلاح اور خدمات کا پورا پورا اعتراف ہے
>
> (تنقید مولانا ندوی صہ ۱۹ بحوالہ افادات صہ ۳۱۲)

مولانا مسعود عالم صاحب ایک طرف نہ صرف مولانا سندھی کے شیوخ واساتذہ بلکہ خود انہیں بھی شاہ صاحب کی حکمت کا اصل وارث اور ان کی راہ پر ٹھیک ٹھیک چلنے والا فرماتے ہیں دوسری طرف ان کے معتقدات تک کو نقد ونظر کی ترازو میں تول کر انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں ـــــ ہمارے خیال میں شاہ صاحب جس ظالمانہ اقتصادی نظام کے خلاف قوم کا ذہن بنا گئے تھے مولانا سندھی اس کے شد ومد سے مداح تھے اور عملاً کوشاں جبکہ مسعود صاحب اپنے جماعتی ذوق کے مطابق اس فلسفہ کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور شاہ صاحب پر براہِ راست حملہ مشکل تھا تو نزلہ برعضوِ ضعیف سندھی مرحوم پر گرا (واللہ تعالیٰ اعلم) ـــــ حالانکہ مولانا تو اوّل وآخر اپنے اساتذہ وشیوخ کے افکار پر عمل پیرا تھے۔ خاص طور پر شاہ ولی اللہ کے معاملہ میں ان کے احساسات جو تھے وہ بالکل اَلَمْ نَشْرَحْ ہیں ـــــ ایک جگہ فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہ کے فکر میں آفاقی وسعت ہے، عالمگیر انسانیت ہے "ازل سے لے کر اب تک کے تمام فکری، ذہنی اور فلسفیانہ نظاموں کو ایک رشتے میں پرونے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر اس وسعت اور بے کنار ہونے کے باوجود ولی اللّٰہی فکر میں ترتیب ہے، نظم و باقاعدگی ہے۔ گویا کہ یہ ریاضی یا حساب کا کوئی مسئلہ ہے۔

(افادات و ملفوظات ص۲۱۷ نومبر سنہ ۱۹۷۲ء مطبوعہ لاہور)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

مجھے کسی دوسرے حکیم کا قرار دادہ مضمون سلسلہ کلام الٰہی سے استنباط کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی، میں معانی (قرآن) کو شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے نہیں دیتا، عام مفسرین سے جہاں کہیں اختلاف کروں گا وہ شاہ صاحب کے اصول کے مطابق ہوگا۔ بعض ایسے مواقع ملیں گے کہ میری سند مولانا شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کے کلام میں ملے گی۔ شاذو نادر باتیں ایسی ہوں گی جو خود میرے فکر کا نتیجہ ہیں۔ میں ایسے موقع پر صراحۃً بتادیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے اس کا رد و قبول ہر وقت سامع کے اختیار میں ہے مگر جن چیزوں میں ائمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہے میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم تناسب آیات میں توجہ کریں اور ان کی تقلید سے ابا (انکار) نہ کریں۔

(الفرقان لکھنو (سابقہ بریلی) کا شاہ ولی اللّٰہ نمبر ص۲۷ مقالہ مولانا سندھی مطبوعہ سنہ ۱۳۶۰ھ)

اپنے شیخ اکبر جن سے براہ راست استفادہ کیا یعنی شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ —— ان کے متعلق فرماتے ہیں:

وہ دن ہے اور آج کا دن حضرت شیخ الہند سے میری یہ وارفتگی قائم ہے۔ میں نے جو کچھ پایا ان سے پایا ان کی ذات سے پایا۔ انہوں نے ہی مولانا محمد قاسم کی راہ دکھائی۔ ان کی بدولت حضرت شاہ ولی اللہ سے عقیدت نصیب ہوئی۔ الغرض جو کچھ میں ہوں سب انہی کی ذات کا فیض ہے۔ (افادات و ملفوظات ص۲۸۵)

سرور صاحب —— مرتب ملفوظات، ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ وہ راقم الحروف کو اکثر کہا کرتے تھے بلکہ تنبیہہ کے طور پر نصیحت کیا کرتے تھے کہ مولانا (سندھی) کو دیکھو اتنے انقلابی اور اس قدر باغی لیکن اپنے بزرگوں کے اتنے

عقیدت مند (صـ۳۸۵)

جاننے والے جانتے ہیں کہ مولانا نے کابل سے نکلنے کے بعد روس، اٹلی وغیرہ کی سیاحت کی ــــ روس اس وقت کمیونزم کے انقلاب کا شکار ہو چکا تھا۔ مولانا نے اس صورتِ حال کا بچشم خود مشاہدہ کیا اور سخت ترین حالات سے انہیں گذرنا پڑا لیکن قرآن عزیز پر ان کا لازوال ایمان اور ان کی اسلامیت ذرا متاثر نہ ہوئی کیوں؟ اس کا جواب مولانا کی زبان سے سنیں:

میں نے یورپ کا سفر سخت انقلابی حالات میں کیا ہے اور بحمد اللہ شاہ ولی اللہ کے طریقہ پر قرآن دانی اور موطا امام مالک کی فقہ کو مانتا ہوا سالم نکل آیا ہوں۔ یہ میں شاہ صاحب کی تجدید کی بہت بڑی برکت مانتا ہوں۔ کاش اہلِ علم ادھر توجہ کریں اور نوجوان مسلمان کی مرکزی طاقت (یعنی عربی مدارس اور کالج کے طلبہ) سے ہونہار افراد کو جمع کر کے ایک شیرازے میں باندھ دیں۔ (الفرقان۔ شاہ ولی اللہ نمبر صـ۳۰۲)

مولانا سندھی شاہ ولی اللہ کے معاملہ میں ان خیالات کے بلاوجہ حامل نہ تھے ــــ واقعی شاہ صاحب ایسے گوہر تابدار تھے جن کی چمک سے ایک دنیا مستفید ہوئی اور ہو رہی ہے۔ حجۃ الاسلام الحکیم الامام محمد قاسم نانوتوی فرماتے تھے کہ:

(شاہ صاحب) ان افرادِ امت میں سے ہیں کہ سرزمینِ ہند میں اگر صرف شاہ ولی اللہ ہی پیدا ہوتے تو ہندوستان کے لیے یہ فخر کافی تھا۔ (الفرقان صـ۳۸۲)

اور اس ضمن میں ایک اور بات علامہ موسیٰ جار اللہ کے حوالہ سے سنتے جائیں جن پر مولانا کی طرح کمیونزم کا پرچارک ہونے کا بہتانِ عظیم ہے۔ مولانا سندھی کے افادات پر مبنی ان کی کتاب "کتاب فی حروف اوائل السور" کا باب ۴۵ "لا اشتراکیۃ فی الاسلام" کے عنوان سے معنون ہے۔ اس کو پڑھ لیں آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ سندھی مرحوم کتنے پختہ کار مسلمان تھے اور یہ کہ قرآن، حدیث اور شاہ ولی اللہ کے فلسفہ سے ایک قدم باہر نہ رکھتے۔

"اسلام دینِ توحید ہے جو پیدا کرنے والے کو ایک قرار دیتا ہے اور معبود کی یکتائی کا تصور پیش کرتا ہے۔ اسلام میں نہ تو شرک ہے اور نہ اشتراک۔ اسی طرح اسلام میں اشتراکیت ان معنوں میں نہیں ہے جیسا کہ لوگ مفہوم لیتے ہیں۔ اموال میں اشتراک ایک باطل امید ہے جس میں بنی نوع انسان کے لئے کوئی بھلائی موجود نہیں ہے

© rasailojaraid.com

اور نہ ہی اس پر کاربند ہونے والے کے لئے کوئی بہتری ہے ۔ ملکیت کا انکار اور محصولات میں حق ملکیت کا انکار کسی ایک کے لئے بھی سود مند نہیں اور جو فائدہ کارکن اپنے کام کی بدولت معاشرے کو پہنچاتا ہے وہ اس اجتماعی منفعت کے مقابلہ پر ایک حقیر چیز کی حیثیت رکھتا ہے جو اس کو معاشرے کی طرف سے دستیاب ہوتی ہے ۔ یہ وہ عظیم اصول ہے جس سے کارل مارکس کے گروہ کے دیگر اشتراکی غافل ہیں اور خیر کی بہترین عملی شکل سارے معاشرے کی سعادت ہے اور فرد کی سعادت معاشرے کی سعادت ہی میں ہوتی ہے ۔ اشفاع اور حقوق کی جملہ اقسام جو معاشرے میں پائی جاتی ہیں اسلام انہیں معاشرے کے مختلف گروہوں اور اس کے افراد کے مابین مشترک قرار دیتا ہے ۔

یہ اقتباس کتاب حروف اوائل السور ص ۲۲۸ تا ص ۲۳۲ کے طویل ترین اقتباس کا محض ایک حصہ ہے ۔ آگے چل کر علامہ ان بعض آیات قرآنی مثلاً سورۃ زخرف آیت ۳۲ اور سورۃ شوریٰ آیت ۲۷ وغیرہ کے متعلق مولانا کے افادات کی روشنی میں صحیح مطالب بیان کرتے ہیں اور بعض بر خود غلط عناصر جو کھینچا تانی کرتے ہیں کو جادہ قدیم اور صراط المستقیم کی طرف بلاتے ہیں ۔

مولانا سندھی کے نام پر بعض نادان دوست اپنی مرعوبانہ ذہنیت کی جو دکان چمکاتے ہیں ان کے لئے بھی اس میں سرمۂ بصیرت ہے ۔ کاش وہ ایسی حرکات سے اجتناب کر کے روحِ سندھی سے معذرت خواہ ہوں اور قرآن کو اس طرح سمجھنے کی سعی کریں جس طرح مولانا کا اصول تھا ۔ انہی نادان دوستوں کے سبب مولانا تشنۂ ستم بنے ۔ ان میں ایک صاحب ملتان کے ایک قصبہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے الہام الرحمٰن کی دو ابتدائی جلدیں اس طرح چھاپی ہیں کہ مظلوم سندھی کی روح تڑپ اٹھی ہوگی ۔ بہر حال دشمنوں اور نادان دوستوں کے سامنے سندھی کا صحیح رخ پیش کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے ہمارے محترم دوست ڈاکٹر منیر احمد مغل کو بخشی جو پاکستان عدلیہ کے ایک اہم فرد ہیں لیکن انہوں نے توفیق الٰہی سے سندھ یونیورسٹی میں اپنا مقالہ پیش کیا جو مولانا کی تفسیر "المقام المحمود" پر ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے ۔ اس مقالہ کا میٹریل مولانا سندھی کے دیرینہ رفیق و شاگرد مولانا عبداللہ لغاری مرحوم کے نوٹس پر مشتمل ہے جو ان کے محرم راز اور ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے سابق سربراہ ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ (جو منیر مغل صاحب کے استاذ و نگراں ہیں) کے توسط سے انہیں ملا اور انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کر کے اسکو مرتب کر دیا (فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)

مولانا سندھی کے خادم و عزیز مولانا عبیداللہ انور نے اس مقالہ کے متعلق یہ سطور قلم بند کیں:

میں نے جناب منیر احمد مغل کے پی ایچ ڈی مقالے کو ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا۔ ان کی محنت کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ درحقیقت ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ کی نگرانی میں ڈاکٹر منیر احمد مغل کی کاوشِ فکر نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا۔ مستقبل میں مولانا سندھی پر مزید کام کی پوری توقع کی جاسکتی ہے۔ اس وقت یہ مقالہ ماخذ اور کتابِ حوالہ کا کام دے گا۔ بہر حال میں تو اس کے ایک ایک لفظ کو دل کی گہرائیوں سے سراہتا ہوں۔ خود حضرت سندھیؒ نے فرمایا تھا کہ نوجوان جب اس طرف متوجہ ہوں گے تو تو ہمارے اس فکر کی بنیاد پر ایک ہسٹاریکل لاج قائم کردیں گے۔ مجھے تو اس مقالے کی صورت میں حضرت مولانا سندھی کی دعا کی قبولیت آنکھوں سے نظر آرہی ہے۔ کچھ مقامات پر میں نے الفاظ درست کئے ہیں جو ضروری تھے اور مولانا سندھی کے وقت وفات پر ایک نوٹ بھی لکھا ہے کیونکہ میں عینی شاہد تھا۔ میری دعا ہے کہ جن جن حضرات نے اس اہم مقالہ کی تیاری میں حصّہ لیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت کے بہترین اجر سے سرفراز فرمائے۔ انہوں نے واقعتہً اپنی آخرت سنوار لی ہے:

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

مولانا عبداللہ لغاری مرحوم جن کے نوٹس کی بنیاد پر یہ عظیم الشّان مقالہ مرتّب ہوا۔ وہ ۱۸۷۱ء میں داد لغاری نامی گاؤں میں پیدا ہوئے جو تحصیل میرلور ماتھیلو میں واقع ہے۔ ان کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہند کے مجاہد شاگرد مولانا محمد صادق کراچوی کے والد مولانا محمد عبداللہ اور ملتان کے مشہور محدث مولانا سلطان محمود بھی تھے۔ ۱۸۹۸ء میں ان کی شادی ہوئی اور اس سے متصل ہی امروٹ شریف ضلع سکھر میں مولانا سندھی سے ان کی ملاقات ہوئی ــــ امروٹ شریف اعلیٰ حضرت بھرچونڈی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ حضرت الشیخ تاج محمود قدس سرہ کا مسکن تھا جو شیخ الہند کی تحریک آزادی کے اہم ترین قائدین میں سے تھے اور حضرت بھرچونڈی کے بعد مولانا سندھی کے مربّی و سرپرست ــــ حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو انہی سے پہلے اجازت ہوئی ان کے سوانح نگار کہتے ہیں کہ اسی ملاقات میں وہ مولانا سندھی کے ہم دم و رفیق بن گئے اور پھر مرتے دقت تک یہ تعلق نبھایا (رحمہ اللہ تعالیٰ)، امروٹ شریف کا مدرسہ وہاں پریس کا اہتمام اور "ہدایت الاخوان" کا اجراء اس کے بعد گوٹھ پیر جھنڈا میں دارالرشاد کے نام سے مدرسہ بنانا جس میں وہاں کے شیوخ کی سرپرستی شامل تھی، ان تمام

© rasailojaraid.com

معاملات میں وہ مولانا سندھی کے دست راست تھے بلکہ گوٹھ کے مدرسہ کے مہتمم وہی تھے۔ سات سال تک اس مدرسہ میں خدمت کے بعد حضرت شیخ الہند کے طلب کرنے پر جب مولانا سندھی اور مولانا محمد صادق (مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی) دیوبند گئے تو یہ بھی ساتھ تھے اور پوری طرح متاثر ہو کر پلٹے۔ ۱۹۱۵ء میں یہ بھی کابل تشریف لے گئے اور مولانا سندھی کے دست و بازو بنے۔ دو سال بعد مولانا سندھی نے ان کے ذریعہ خطوط ہندوستان بھجوائے۔ یہ خطوط مولانا کے اپنے تھے اور بعض راجہ مہندر پرتاب کے۔ انہیں ہندوستان میں مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر انصاری اور حکیم اجمل خاں وغیرہ کو پہنچانا تھا۔ نیز ایک عبارت ان کے سپرد کر دی جس کا مقصد جہاد کی اجازت تھا اور اس پر دین پور شریف، امروٹ شریف اور پیر جھنڈا کے مشائخ سے دستخط لینا تھے۔ مولانا لغاری نے کمال درجہ محنت و دیانت سے دونوں کام کئے اور ان مشائخ کی اجازت لے کر وہ تحریر سردار عبدالرزاق کو کابل روانہ کر دی۔ ریشمی خطوط کے قصہ میں دوسرے اکابر و اعیان کے ساتھ یہ بھی اپنے چند رفقاء سمیت گرفتار ہو گئے۔ باقی رفقاء ان کے سبب رہا ہوئے ——— لیکن مولانا دو سال تک لاہور، پٹھان کوٹ، دین پور اور کراچی وغیرہ نظر بند رہے۔ پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر انہیں رہائی ملی اور جب امیر امان اللہ خان انگریز سے بھڑ گئے تو یہ مولانا سندھی کے تعلق کے سبب جو اس لڑائی کے محرک تھے، نظر بند کر دیئے گئے۔ ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء میں مولانا سندھی مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ چندے بعد مولانا لغاری وہاں پہنچے۔ تفسیر قرآن، علوم اسلامیہ اور فلسفہ ولی اللہی پر امام سندھی کی جملہ تقریریں مولانا نے نوٹ کیں ——— پختہ کار عالم تھے۔ مولانا کے زندگی بھر کے رفیق تھے۔ مزاج شناس تھے اس لئے ان کی لکھی ہوئی تقریریں ہر طرح معتبر اور مستند قرار پائیں ——— آپ کے سوانح نگاروں کا کہنا ہے کہ اب تک مولانا سندھی کے افکار اور شاہ صاحب کے فلسفہ سے متعلق مستند کتابیں جو شائع ہوئی ہیں تو ان کا مواد مرحوم لغاری کا ہی فراہم کردہ ہے۔ ۱۹۳۹ء میں مولانا سندھی کی واپسی سے کچھ قبل انتظامات کی خاطر واپس آئے اور آخر تک مولانا سندھی کے ساتھ رہے۔ مولانا سندھی کی وفات کے بعد چھ سال تک سندھ یونیورسٹی کے بعض اساتذہ اور شاگردوں کو قرآن کی تفسیر و حکمت پڑھانے کی غرض سے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ڈائرکٹر قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد اور ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتہ سابق ڈائرکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے یہاں مقیم رہے۔ آخر میں علامہ آئی آئی قاضی صاحب کی علم و معارف پروری کے سبب اعزازی وظیفہ پر سندھ

یونیورسٹی کے ایم اے کے طلبہ کو تفسیر قرآن پڑھانے پر مقرر ہوئے ۱۲ ستمبر ۱۳۵۸ھ کو اچانک پیشاب کی تکلیف ہوئی۔ ۱۵ ستمبر کو سول ہسپتال حیدرآباد میں داخل ہوئے۔ ۱۷ ستمبر آپریشن ہوا۔ اس دن حافظ محمد صاحب سے فرمایا: ہر دمے چند خوردیم و گفتیم و بس ۔ اور اسی سے متصل رات گیارہ بجے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کے عزیز فیض یافتہ اور میزبان ڈاکٹر ہالے پوتہ جاپان کے سفر پر تھے ان کی بیگم صاحبہ نے غسل وغیرہ کا اہتمام کیا اور علم و حریت کا یہ گوہر شب چراغ نسانگھڑ میں دفن کر دیا گیا — رحمہ اللہ تعالیٰ

(بحوالہ سرگزشت کابل ص ۲۶۲/۶۴ تلخیص و مقالہ قلمی ڈاکٹر مغل صاحب ص ۱۸ تا ۲۸)

ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ہالی پوتہ جو اس مقالہ میں منیر مغل صاحب کے سرپرست و نگراں تھے ان کے بقول مولانا سندھی نے ابتدائے قیام دہلی کے دوران پہلی جنگ عظیم سے قبل جو تفسیر مرتب کی تھی اس کی نقلیں سندھ یونیورسٹی وغیرہ میں موجود ہیں لیکن یہ تفسیر جو اب سامنے ہے یہ اس سے بہت بعد کی ہے جب مولانا کا علم، مشاہدہ، تجربہ سب کچھ حدِ کمال کو پہنچ چکا تھا۔ اور پھر البلد الامین کا قیام اس پر مستزاد، جو سرزمین وحی ہونے کے ناطے سے قدرت کی جلوہ آفرینیوں کی آماجگاہ ہے۔ بقول ڈاکٹر صاحب مولانا نے زندگی کے ادق ترین اور جدید ترین مسائل کے حل کے لئے قرآنِ عزیز کا سہارا لیا اور حکمتِ ولی اللّٰہی کو بنیاد بنایا اور رحمہ اللہ وہ اس میں خوب کامیاب ہوئے۔

(تفصیلات پیش لفظ "المقام المحمود" پارہ عم ۱۹۵۹ء مطبوعہ حیدرآباد سندھ میں دیکھیں)

مولانا سندھی قرآن عزیز کا جس طرح تعارف کراتے ہیں اس کی تفصیلات تو اصل مقالہ میں ملیں گی نمونہ کے طور پر دیکھیں کہ مولانا اسے انقلابی کتاب فرماتے ہیں جس پر عمل کا نتیجہ تقویٰ ہے — یہی متقی دنیا میں نظامِ سلطنت کے وارث ہوتے ہیں — اور اس سے انکار کا نتیجہ دنیا میں ذلّت اور آخرت میں نارِ جہنم ہے۔ اس کی مثل کوئی پروگرام نہیں اور نہ کوئی اس کی مثال لانے میں کامیاب ہو سکتا ہے — الغرض ایک ایک لفظ قرآن عزیز کی آیات کی ترجمانی کرتا نظر آئے گا اور شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے انداز کے مطابق یہاں نفسِ قرآن کو سمجھانے کی کوشش ہوگی جسے افسوس کہ نظر انداز کر کے تفسیری مباحث کو اہمیت دے دی گئی ہے — حالانکہ اہمیت متن و نفسِ قرآن کو ہے اور تفسیری مباحث ثانوی حیثیت رکھتے ہیں — فاضل مقالہ نگار نے ص ۱۱ تا ۴۷ (غیر مطبوعہ) سے چند صفحات پر سندھی مرحوم کے حوالہ سے قرآن کا تعارف کرایا ہے جس کی چند سطور ہم نے محض تمثیلاً عرض کر دیں اور پھر ص ۱۱ تا ۷۰ پر ممتاز تفسیری نکات کا ایک نمونہ دکھایا گیا ہے۔ مثلاً عبادت و

© rasailojaraid.com

استعانت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں (الفاتحہ کی آیت اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ)

ہم نے تمام کائنات کو دیکھا اور اس سے اندازہ لگایا کہ اس تمام نظامِ عالم کے اوپر ایک ذات ہے ہم اپنا سرِ نیاز اس کے آگے خم کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارا مالک اور کارساز ہے اور اسی سے ہم مدد مانگتے ہیں۔ یہ بڑی بڑی قومیں جس قدر دنیا میں ہیں انہوں نے انسانوں پر ظلم و تشدد کر کے انسانی حقوق کو غصب کر لیا اور انسانوں سے اپنی بندگی کرانے لگے ـــــ اے اللہ ہم ان سے بیزار ہیں اور اب تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

فاضل مقالہ نگار نے ص۱۱۱سے ص۱۱۷x (چار صفحات) تک میں یہ بتلایا ہے کہ مولانا لغاری کا مسودہ ڈاکٹر ہالی پوتہ صاحب کے پاس ہے۔ اس کی مائیکروفلم اور فوٹوسٹیٹ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد میں عکسیات ۲۷/۲۴ پر موجود ہے۔ سات جلدیں ۹۷۵ عام رجسٹر سائز کے اوراق پر مشتمل ہیں۔ جلد اوّل بنام المقام المحمود فی تفسیر کتاب اللہ الودود الملقب بمواقف المسترشدین ہے جس کے ۱۲۲ اوراق ہیں۔ الفاتحہ، البقرہ، آل عمران، النساء اور المائدہ اس میں شامل ہیں۔ الفاتحہ کی تفسیر بھر مولانا سندھی نے خود سنی۔ بقول مولانا لغاری الفاتحہ کی تفسیر ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۳۵ء کو ختم کی۔ البقرہ سے توبہ کے اختتام تک تفصیل نہیں لکھی لیکن یونس سے الناس تک مولانا سندھی کا سننا ثابت ہے اور البقرہ سے توبہ تک فیروز نامی ایک صاحب نے تفسیر مولانا سندھی سے سن کر لکھی تھی۔ مولانا لغاری نے استاد محترم کے حکم سے اس سے نقل لے لی ـــــ !!

دوسری جلد کا نام المقام المحمود فی تفسیر کتاب اللہ الودود الملقب بہ سبیل الرشاد ہے۔ اس کے ۲۹۶ اوراق ہیں۔ سورۃ الانعام سے التوبہ تک یہ مشتمل ہے۔

جلد سوم کا الگ کوئی لقب نہیں اس کے محض ۳۶ اوراق ہیں اور اس میں صرف سورۂ یونس ہے۔ ۲ شعبان ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۹۳۴ء کی تاریخ اس پہ درج ہے۔

جلد چہارم کا بھی کوئی لقب نہیں اس کے ۱۵۵ اوراق ہیں۔ سورۂ ہود سے طٰہٰ تک سورتیں اس میں ہیں۔

جلد پنجم بھی بغیر لقب ہے۔ اس کے اوراق ۱۵۶ سے شروع ہو کر ۲۵۹ تک جاتے ہیں اور یہ الاحزاب پہ ختم ہوتی ہے۔

جلد ششم کا نام المقام المحمود فی تفسیر کتاب اللہ الودود الملقب بالبیّنات ہے۔ ۱۱۹ اوراق

ہیں الحجرات تک چلی گئی ہے۔

جلد ہفتم کا لقب نہیں لکھا۔ صفحات ۱۲۰ سے شروع ہوتے ہیں اور ۲۶۲ تک جاتے ہیں۔ اس میں سورہ ق سے الناس تک کی تفسیر ہے ــــــ اور اصل مسودہ کے لیے مقالہ نگار نے "م م" کا اشارہ دیا ہے۔ یعنی المقام المحمود اور جہاں مولانا سندھی نے حدیث کے حوالے دیئے تھے پورا حوالہ تلاش کے بعد درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح تاریخی کتب وغیرہ کے حوالے نقل ہو گئے ہیں۔ علامہ موسیٰ جار اللہ کو املا کرائی جانے والی تفسیر الہام الرحمن سے تقابلی مطالعہ کے ساتھ اگر کہیں دوسری جگہ کوئی تائیدی چیز ملی ہے تو اسے بھی مقالہ نگار نے درج کر دیا ہے۔ اور شاہ ولی اللہ کی کتب سے بطور خاص تائیدی کلمات نقل کئے گئے ہیں ــــ بقول فاضل مقالہ نگار مولانا سندھی کے سیکرٹری مولانا بشیر احمد لودھیانوی کے پاس جو امالی کے ذخیرے تھے وہ ان کے بعد مولانا مقبول عالم مرحوم سیکرٹری شاہ ولی اللہ سوسائٹی لاہور کے پاس منتقل ہوئے۔ انہیں نہ صرف امالی پر عبور تھا بلکہ وہ مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے خاص شاگرد تھے۔ ایک ابتدائی حصہ حرف بحرف انہوں نے سنا پھر ان کا انتقال ہو گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ــــ انگریزی ترجمہ کی ضرورت مولانا عبدالماجد دریاآبادی کے ترجمہ سے اور اردو ترجمہ کی ضرورت حضرت شیخ الہند کے ترجمہ سے پوری کی گئی ــــ یہ تفصیلات کا خلاصہ ہے جس سے فاضل مقالہ نگار کی محنت کا اندازہ ہوتا ہے (جزاہم اللہ تعالیٰ)

جیسا کہ ہم نے ابتدا میں بھی کہیں عرض کیا مولانا سندھی کے پیش نظر قوم کے نوجوان طبقہ کو قرآن سے روشناس کرانا تھا۔ یہ بات شاہ ولی اللہ کے افکار سے انہوں نے سیکھی تھی ــــ بقول مولانا عبدالماجد دریاآبادی مرحوم:

> ہندوستان میں یہ قرآن فہمی کا چرچا آج جو کچھ نظر آتا ہے اور یہ اردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں جو بیسیوں ترجمے شائع ہو چکے ہیں، شائع ہو رہے ہیں یا آئندہ شائع ہوں گے ان کے اجر کا جزو اعظم حضرت شاہ صاحب کے حسنات میں لکھا جائے گا۔ یہ سارے چراغ اسی چراغ سے روشن ہوئے۔ (الفرقان ص۳۱)

مولانا سندھی یہی کچھ کرنا چاہتے تھے اور جیسا کہ آپ پڑھ چکے ابتدائے قیام دہلی سے لے کر قیام مکہ معظمہ تک ان کا محبوب مشغلہ اسی کتاب مقدس پر غور کرنا تھا اور اس کے علوم کی اشاعت۔ مکہ معظمہ سے واپسی کے بعد یہ سودا برابر سمایا رہا بلکہ اس میں اضافہ ہوا۔ واپسی کے بعد کی ایک تحریر!

© rasailojaraid.com

ملاحظہ فرمائیں -

ان حالات میں قرآن کے لئے ضروری تھا کہ اپنے بین الاقوامی انقلاب — کو روشناس کرانے کے لئے کسی ایسے فکر کو عنوان بناتا جو تمام اقوام میں معروف ہوتا — اور پھر بقول مولانا سندھی یہ فکر فکرِ قیامت تھا جس کا مطلب کائنات کا ایک روز منتشر ہونا اور انسانی اعمال کی باز پرس ہونا ہے۔ اس لئے اس مسلّم اور معروف عنوان کا قرآن نے سہارا لیا۔ (دستورِ انقلاب صد۲۹ مطبوعہ لاہور)

اور پھر مولانا خاص واقعات کے حوالے سے قرآن کی تفسیر کو بالکل نادرست سمجھتے تھے اور اس معاملے میں حضرت شاہ ولی اللہ کی الفوز الکبیر کو بنیاد بناتے ہیں اور زور دیتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر اس طرح کہو کہ اس کی آیات کسی خاص فرد یا واقعہ سے متعلق ہو کر نہ رہ جائیں ورنہ اس سے اس کی عالمگیریت اور جامعیت متاثر ہوگی (دستور صد۳)

(اس کی مزید تفصیلات مولانا سندھی کے مقالہ مطبوعہ الفرقان صد۲۶-۲۵۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

مولانا مرحوم جیسا کہ پہلے اشارہ ہوا قرآن کو انقلابی کتاب کہہ کر اس پہ عمل کا نتیجہ تقویٰ قرار دیتے ہیں ان متقین کو وارث ارضی سمجھتے ہیں جیسا کہ سورۂ النور اور الانبیاء میں ہے اور اس کے لئے وہ لوگوں کو توجہ دلاتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا باب الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان اور ازالۃ الخفاء میں آیت کریمہ "هُوَ الَّذِىٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلْهُدَىٰ وَدِينِ ٱلْحَقِّ" کی تفسیر پڑھیں۔ (الفرقان صد۲۷۳)

محمودیہ کے صد۱۳ اور صد۱۷ کے مطابق مولانا نے حجازِ مقدس سے واپسی پہ اپنا محبوب علمی مشغلہ فلسفہ ولی اللّٰہی کی تعلیم قرار دیا اور ۱۹۳۹ء کے ایک خطبہ صدارت (اجلاس جمعیۃ العلماء سندھ بنگال) میں اس پر پورے شدّومد سے زور دیا — شاہ صاحب سے مولانا کی دلچسپی کا راز کوئی راز نہیں ایک حقیقت ہے اور اس کا سبب محض یہ ہے کہ شاہ صاحب نے ظلمت کدہ ہند میں لوگوں کو قرآن کی طرف رجوع کی دعوت دی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ میں گویا فرمایا:

بھٹکنے سے کیا فائدہ؟ اصلاح مطلوب ہے تو قرآن کی طرف آؤ (مفہوم - الموطا)

اس دلچسپی نے مولانا کو اس مقام پہ لا کھڑا کیا کہ بقول مولانا نور الحق العلوی مرحوم (جو مولانا کے بہت عزیز شاگرد تھے) مولانا سندھی کو شاہ صاحب کی کتابیں ازبر ہو چکی تھیں اور یا پھر قوتِ حدس نے

ایسی ترقی کرلی تھی کہ ان کے لئے شاہ صاحب سے اخذ کرنا مشکل نہ تھا۔

فاضل مقالہ نگار نے چند صفحات میں جن کی ابتداء صـ سے ہوتی ہے حکومت اور دوسرے متعلقہ مسائل پر مولانا کے افکار قلم بند کر دیئے ہیں جن کو پڑھ کر آج کی الجھنوں کا حل آسان ہو جاتا ہے ۔۔۔ آج دنیا نظامِ حکومت کے معاملے میں اور حالات کی اصلاح کے معاملہ میں از حد پریشان ہے اور جیب و داماں اس طرح الجھ گئے ہیں کہ بات بنتی ہی نہیں ۔۔۔ مولانا قرآن کی روشنی میں گھر کے نظام سے چلتے ہیں اور عالمگیر انسانیت تک پہنچ کر دم لیتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے درجہ بدرجہ انسان کو حکومت عادلہ کا ڈھنگ سکھایا ہے ۔۔۔ انشاء اللہ چند بعد یہ تفسیر چھپ کر سامنے آئے گی تو ایک دنیا کو اندازہ ہو سکے گا کہ ایک بوریا نشین نے کیا کام کیا ۔۔۔ بلاشبہ اس سعادت کا سہرا ڈاکٹر ہالی پوتہ اور ان کے شاگرد عزیز منیر صاحب کے سر ہے جنہوں نے اس کو ایڈٹ کیا۔ سالوں کی محنت اور اس طرح کہ بقول منیر صاحب ایک ایک آیت پر بسا اوقات کئی کئی راتیں سوچنا پڑا اور استاذِ محترم ہالی پوتہ صاحب اکثر اوقات اشکال کا حل یوں تلاش کرتے کہ دو نفل پڑھواتے اور روحِ سندھی کو ہدیہ کراتے پھر قرآن لے کر بیٹھ جاتے اور الحمدللہ معاملہ صاف ہو جاتا۔

اس تمام تر محنت کے باوجود اختلاف کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے اور یہ فطری امر ہے۔ اور بقول نبی اکرم علیہ السلام ۔۔۔ رحمت ۔۔۔ لیکن ضروری یہ ہے کہ پوری طرح اس نسخہ کیمیا کو پڑھا جائے اور بار بار پڑھا جائے ۔۔۔ مولانا محمد منظور نعمانی الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر میں مولانا سندھی کے مقالہ کی تمہید میں فرماتے ہیں اور علماء کو توجہ دلاتے ہیں کہ حوصلہ سے سنبھل کر بار بار پڑھیں پھر فیصلہ کریں ۔۔۔ اپنا کہتے ہیں کہ بعض مقامات مجھے بار بار پڑھنا پڑے (صـ ۲۵)۔ مطالعہ سے قبل ہی کسی ذہنی یا اجتماعی سانچہ پر مولانا کو فٹ کر کے ان کے افکار کا مطالعہ ان کے ساتھ انصاف نہیں وہ اوّل آخر مسلمان تھے ۔۔۔ ایک مخلص، اکل کھرے اور سچے مسلمان ۔۔۔ اس اعتبار سے انہیں پڑھیں اور مواقعِ اختلاف پر حکیم دہلوی قدس سرہٗ کا ذوق و مسلک اپنائیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اہلِ علم کے لئے اختلاف کی حدود پر بحث میں فرماتے ہیں:

جو بات کتاب اللہ کی کسی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم کی سنتِ قائمہ یا قرون مشہود لہا بالخیر کے اجماع یا جمہور مجتہدین اور معظم سوادِ مسلمین

© rasailojaraid.com

کے مسلک مختار کے خلاف ہو میں اس سے بری اور بیزار ہوں ۔ پس اگر ایسی کوئی بات نکل جائے تو وہ یقیناً خطا اور چوک کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اس پر جو ہم کو خبردار اور غفلت سے متنبہ کرے ۔ لیکن یہ بعد کے مصنفین جن کا کام ائمہ متقدمین کے کلام سے تخریج اور استنباط ہے اور بحث و مجادلہ جن کا شیوہ ہے ضروری نہیں ہے کہ ان کی تمام باتوں سے ہم اتفاق ہی کریں ـــــ وہ بھی انسان ہیں اور ہم بھی انسان ۔ اور ہمارا ان کا معاملہ قریباً برابر سرابر ہی ہے ۔

(حجۃ اللہ البالغہ (عربی) ص۹)

گویا فلاں اور فلاں کے حوالے سے امام سندھی پر تنقید مناسب نہیں انہیں اور ان کے افکار کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر رکھیں ـــ رہ گئے فلاں اور فلاں تو وہ بھی مولانا سندھی کی طرح انسان تھے اور بس ۔ اگر ان کی علمی تحقیقات میں غلطی کا احتمال ہے تو اُن کی تحقیقات بھی منزہ عن الخطا نہیں ۔ اسی طرح شاہ صاحب اپنے مکتوبات میں ص۲۷، ۲۸ پر شیخ ابن عربی اور حضرت مجدد سرہندی قدس سرہما کے متعلق لکھتے ہیں کہ :

> ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ دونوں خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں اور ان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ہم ان کی طرف کوئی التفات نہیں کرتے اور یہی حال ہمارے نزدیک علامہ ابن تیمیہ کا ہے ۔

شیخ ابن عربی اور حضرت مجدد وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے معاملہ میں جس طرح مختلف الرائے ہیں اس کا اہل علم کو پتہ ہے ـــ لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ علمی اختلافات کی بنیاد پر کسی پر کیچڑ اچھالا جائے ـــــ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں بچائے ـــــ

اور پھر بقول حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مولانا سندھی جیسا ذہین و فطین انسان جو کفر کی گود سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آیا اور ساری عمر حضور نبی اکرم علیہ السلام کے حوالے سے آئی دائی سچائی اور کلمہ حق بلند کرنے کے لئے سرگرم عمل رہا، اسے اس راستہ میں کن کن مصائب سے دوچار نہیں ہونا پڑا، ان صدمات کے نتیجہ میں تو انسان کی دماغی شریان پھٹ جائے تو تعجب نہیں اور وہ اپنے عقیدہ و مسلک سے منحرف ہو کر کسی دوسرے راستہ پر چل نکلے تو تعجب نہ ہو لیکن مرحوم سندھی نے اپنا سب کچھ قربان کر کے جس اسلام کو سینہ سے لگایا تا دم واپسیں تک اسے سینہ سے لگائے رہے اور ع "الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم" کے مصداق قرآن و سنت نبوی کے مبلغ و داعی کی حیثیت

سے عمرِ عزیز بسر کر دی ـــــ ذہنی صدمات کے سبب ان کے خیالات میں کسی وقت بے ترتیبی کا امکان موجود ہے جس کا اعتراف اس عبقری اور رشد دماغ نے خود کیا ـــــ ملفوظات ص۲۲۵ پر ہے:

میں مانتا ہوں کہ بعض اوقات میں اپنے مطلب کی صاف تعبیر نہیں کر پاتا اور اس سے سننے والوں کو غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں میں اس معاملہ میں معذور ہوں ـــــ آپ نے خاص طور پر ذاکر صاحب (ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم شیخ الجامعہ جامعہ ملیہ دہلی بعدہ صدر ہند) کو مخاطب کیا اور کہا

ڈاکٹر صاحب میں جن مایوسیوں، ناکامیوں اور پریشانیوں سے گزرا ہوں اور اس یقین تک کہ ہندوستانی مسلمان اس ملک میں سربلند ہو سکتے ہیں! اس یقین تک پہنچنے میں مجھے جن مصائب سے سابقہ پڑا ہے میں ان کا خیال کرتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ میں کس طرح اس یقین تک پہنچ سکا میں اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے جامعہ میں جگہ مل گئی اور آپ جیسے سننے اور سمجھنے والے حضرات میسر آ گئے۔

ان صدمات، مایوسیوں اور مشکلات کے باوجود وہ روس کے کفرزار سے سلامتی کے ساتھ نکلا تو اسے وہ شاہ ولی اللہ کی تجدید کی برکت سمجھتا ہے اور ہمارے خیال میں اس نے اس سب کے باوجود قرآن فہمی کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی تو یہ قرآن کی برکت اور صاحبِ وحی کا زندہ معجزہ ہے ورنہ بقول مولانا مدنی مرحوم اس مقام پر تو سنبھلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ (اس ضمن میں حضرت مدنی کے ارشادات ذاتی ڈائری ص۱۴۱ سے ص۵ تک کی تفصیلات بڑی نفع بخش ہیں)

ہمارے بعض کرم فرما قادیانیوں کے مسئلہ میں بھی انہیں متہم گردانتے ہیں کہ وہ نرم گوشہ رکھتے تھے ـــــ ان اکابر اور عزیزوں کو ملفوظات کا ص۱۹۷ دیکھنا ضروری ہے جہاں حاشیہ پر حضرت شیخ الہند کے شاگرد علامہ شہاب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے ایک روایت نقل ہے کہ مولانا سندھی کا ایک شاگرد بدقسمتی سے قادیانی ہو گیا۔ مولانا اس سے قادیان میں ملے۔ بات ہوئی تو وہ واہی تباہی بکنے لگا۔ مولانا نے اس سے کہا کہ تم آگے تک ہمیں پہنچا آؤ۔ وہ ساتھ ہو لیا۔ گاؤں سے باہر نکلے تو مولانا نے مجھے ذرا الگ کر کے اس سے بات کی۔ حتیٰ کہ وہ قادیانیت سے تائب ہو گیا اور درخواست کی کہ مجھے اجازت دیں تاکہ میں سامان لا سکوں اور آپ کے ہمراہ چلوں۔ مولانا نے اسے سامان چھوڑ دینے پر راضی کر لیا اور اسے کفرزار قادیاں سے نکال لائے۔

ایسے بیدار مغز اور بہی خواہِ اسلام کی تفسیر کا مطالعہ ٹھنڈے دل و دماغ سے کرنا ضروری ہے

© rasailojaraid.com

تاکہ قرآنی حکمت سے صحیح آگاہی ہو سکے۔

ہمارا خیال تھا کہ اس مقالہ میں مولاناؒ کی سیاسی سوچ و افکار اور ان کی حریت مآبی کا بھی کسی قدر تفصیل سے ذکر کر دیں لیکن طوالت کے سبب اس قصّہ کو دوسرے موقعہ پر اٹھا رکھتے ہیں اور محض اتنے اشارات پر اکتفا کرتے ہیں کہ جس افغانستان کا مسلمان آج آپس میں دست و گریباں ہے اور جن کی ہجرت و جہاد پر کئی سیاسی بد ذوق مال بٹور رہے ہیں ـــــ اس افغانستان کے استحکام کا سہرا مولانا کے سر ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں

مزید یہ ذہن میں رکھیں کہ روسی حملہ سے افغانستان کو بچانا مولانا کا کارنامہ ہے (دیکھیں مقالہ منیر مغل صاحب ص ۱۱۱ × × اور آپ بیتی ظفر حسن حصّہ اوّل)

دوسرے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ مولانا المحترم نے ۱۹۲۵ء میں ترکی سے وفاقی ہند کا دستور تیار کیا اور استنبول سے اسے شائع بھی کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے لیے سیکرٹری آف سٹیٹ مسٹر لارڈ بیڈ برکن کو ڈرامائی طور پر برطانوی پالیسی کا اعلان کرنا پڑا۔ (مقالہ منیر صاحب ص ۱۱۱ × ×)

اس سلسلہ کی مزید تفصیلات ظفر حسن ایبک کی آپ بیتی کے حصّہ دوم کے باب ۱۱ میں بطور خاص موجود ہیں ـــــ اس پروگرام میں ہندوستان کی آزادی ـــ اور آزادی کے بعد اس میں وفاقی حکومت کا قیام (جس کو آج ہمارے یہاں کامیاب ترین حکومت سمجھا جا رہا ہے ـــــ یہ ایک بوریا نشین کی سوچ ہے) مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق کی محافظت۔ اکثریت رکھنے والے محنت کش طبقہ کی حکومت کا قیام اور امپریلزم کے توڑ کے لیے ایشیائی فیڈریشن کا قیام شامل تھا۔

(آپ بیتی ص ۱۰۲-۱۰۱، ج دوم)

محنت کش طبقہ کی حکومت کے ضمن میں مولانا نے لکھا:

"زمینداری اور سرمایہ داری کو ختم کرنا تاکہ لوگ کمیونزم کے سبز باغ دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں"

اگر یہ بات تسلیم ہو جاتی تو آج روس کا خوف ہمارے سروں پر مسلّط نہ ہوتا اور ایشیائی سوسائٹی بن جانے سے ہم برطانوی امپریلزم کے بعد امریکی سامراج کی گود میں نہ ہوتے۔ اور روس و چین کی بالادستی کے بجائے قیادت ہمارے ہاتھ میں ہوتی۔

یہ دستور ہندوستان بھی آیا لیکن ضبط ہو گیا ـــــ اسی دستور میں مولانا نے کمال درجہ حکمتِ عملی اور حزم و احتیاط سے ہندوستان کے تین قدرتی خطّوں کی بات کہہ کر علاقائی آزادی لیکن وفاقی حیثیت کا تحفّظ کیا۔ (آپ بیتی ص ۱۰۵، ج ۲)

یہ پروگرام یہاں آتے ہی ضبط ہو گیا جس کی ضبطی کی خبر روزنامہ زمیندار ۱۸ مئی ۲۵ء اور سیاست ۱۸ مئی ۲۵ء میں شائع ہوئی (آپ بیتی ص ۱۰۹ ج ۲)

رہ گیا مسئلہ تحریک ریشمی رومال کا تو اس میں مولانا کا جو بنیادی رول ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انگریز سرکار کا قائم کردہ کمیشن مولانا سے ایسا خوفزدہ تھا کہ اس نے مولانا کو محرک اصلی اور حضرت شیخ الہند کو ان کا مؤید ثابت کیا (جو بہر طور غلط ہے) (ذاتی ڈائری ص ۵۳)

اس تحریک کے ضمن میں تفصیلی حالات انڈیا آفس لائبریری لندن کے ریکارڈ کی بنیاد پر مولانا سید اسعد مدنی نے مرتب کرائے جو پاکستان میں مکتبہ رشیدیہ لاہور اور مکتبہ محمودیہ لاہور کے اشتراک سے شائع ہو چکے ہیں ــــ مولانا کی ذاتی ڈائری کے صفحہ ۱۸ پر ترکی وزیر جنگ غالب پاشا کی تحریر کا اقتباس بھی موجود ہے جو حضرت شیخ الہند اور غالب پاشا کے تعلقات کی عکاسی کرتا ہے ۔ اور اس تحریک کے ضمن میں اہم دستاویز ہے ۔

رہ گیا مسئلہ ہندو دوستی کا تو جو حضرات قوم اور ملت کے فرق کو نہیں سمجھتے اور قرآن و سنت نبوی سے بے نیاز ہو کر اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے صنموں کو پوج رہے ہیں ۔ ان سے ہماری کوئی غرض نہیں رہ گئے انصاف پسند حضرات تو وہ مولانا کی ذاتی ڈائری کا ص ۹۱ اور سرگذشت کابل کا ص ۷۹ دیکھ لیں کہ کس طرح مولانا ہندو کے لتے لیتے ہیں اور اس کے دماغ کی خرابی کا علاج کرتے ہوئے اسے کہتے ہیں کہ اس سرزمین پر جتنا تمہارا حق ہے اس سے زیادہ نہیں تو تمہارے برابر ہمارا ضرور حق ہے ۔ کم کسی شکل نہیں ــــ رہ گیا پاکستان کا مسئلہ تو ظاہر ہے کہ مولانا اس سے قبل انتقال فرما گئے تھے ۔ اس لئے اس حوالہ سے گفتگو لاحاصل ہے ۔ تاہم میثاق استنبول میں مسلمان کی بالادستی کا واضح تصور موجود ہے جو قابل توجہ ہے ــــ

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم اور ان کی تعبیر و افکار کے سلسلہ میں کام کرنے والے حضرات سے راضی ہو ۔ ثم

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد !!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں ۔ انکا احترام آپ پر فرض ہے ۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں انکو صحیح اسلامی طریقے کیمطابق بیحرمتی سے محفوظ رکھیں ۔

© rasailojaraid.com